

تفہیم القرآن

العلق

نام | دوسری آیت کے لفظِ علق کو اس سورتہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔
 زمانہ نزول | اس سورتہ کے دو حصے ہیں پہلا حصہ اِقْدَأْ سے شروع ہو کر پانچویں آیت کے الفاظ
 مَا لَمْ يَكُنْ يُحْيِمْ يُخْتَمُ ہوتا ہے، اور دوسرا حصہ كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّا فِطْرًا سے شروع ہو کر آخر سورتہ
 تک چلتا ہے پہلے حصے کے متعلق علمائے اُمت کی عظیم اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ یہ سب سے
 پہلی وحی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس معاملہ میں حضرت عائشہؓ کی وہ حدیث
 جسے امام احمد، بخاری، مسلم اور دوسرے محدثین نے متعدد سندوں سے نقل کیا ہے، صحیح ترین احادیث
 میں شمار ہوتی ہے، اور اس میں حضرت عائشہ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر آغازِ وحی
 کا پورا قصہ بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ ابن عباس، ابو موسیٰ اشعری اور صحابہ کی ایک جماعت سے
 بھی یہی بات منقول ہے کہ قرآن کی سب سے پہلی آیات جو حضور پر نازل ہوئیں وہ یہی تھیں۔ دوسرا
 حصہ بعد میں اُس وقت نازل ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم میں نماز پڑھنی شروع کی
 اور ابو جہل نے آپ کو دھمکیاں دے کر اس سے روکنے کی کوشش کی۔

آغازِ وحی | محدثین نے آغازِ وحی کا قصہ اپنی اپنی سندوں کے ساتھ امام زہری سے، اور انہوں نے
 حضرت عروہ بن زہیر سے اور انہوں نے اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے (اور بعض روایات میں ہے اچھے) خوابوں کی شکل
 میں ہوتی۔ آپ جو خواب بھی دیکھتے وہ ایسا ہوتا کہ جیسے آپ دن کی روشنی میں دیکھ رہے ہیں۔ پھر
 آپ تنہائی پسند ہو گئے اور کئی کئی شب و روز غارِ حرا میں رہ کر عبادت کرنے لگے (حضرت عائشہؓ

نے تخت کا لفظ استعمال کیا ہے جس کی تشریح امام زہری نے تعبد سے کی ہے۔ یہ کسی طرح کی عبادت تھی جو آپ کرتے تھے، کیونکہ اُس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عبادت کا طریقہ نہیں بتایا گیا تھا۔ آپ کھانے پینے کا سامان گھر سے لے جا کر وہاں چند روز گزارتے، پھر حضرت خدیجہ کے پاس واپس آتے اور وہ مزید چند روز کے لیے سامان آپ کے لیے مہیا کر دیتی تھیں۔ ایک روز جبکہ آپ غارِ حرا میں تھے، یکایک آپ پر وحی نازل ہوتی اور فرشتے نے آکر آپ سے کہا پڑھو۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کرتی ہیں کہ میں نے کہا ”میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں“ اس پر فرشتے نے مجھے پکڑ کر بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھو۔ میں نے کہا ”میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں“ اس نے بارہ مجھے بھینچا اور میری قوت برداشت جواب دینے لگی پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھو۔ میں نے پھر کہا ”میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں“ اس نے تیسری مرتبہ مجھے بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (پڑھو اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا) یہاں تک کہ مَا لَمْ يَعْلَمْ رَجَسٌ وہ نہ جانتا تھا، تک پہنچ گیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ لڑتے ہوئے وہاں سے پلٹے اور حضرت خدیجہ کے پاس پہنچ کر کہا ”مجھے اڑھاؤ مجھے اڑھاؤ چنانچہ آپ کو اڑھا دیا گیا۔ جب آپ پر سے خوف زدگی کی کیفیت دُور ہو گئی تو آپ نے فرمایا ”اے خدیجہ، یہ مجھے کیا ہو گیا ہے“ پھر سارا قصہ آپ نے اُن کو سنایا اور کہا ”مجھے اپنی جان کا ڈر ہے“ انہوں نے کہا ہرگز نہیں آپ خوش ہو جائیے، خدا کی قسم، آپ کو خدا کبھی رُسوانہ کرے گا۔ آپ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، ایک عبادت میں یہ اضافہ ہے۔

کرتا ہے۔

ادا کرتے ہیں، بے سہارا لوگوں کا بار برداشت کرتے ہیں، نادار لوگوں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، اور نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں۔ پھر وہ حضور کو ساتھ لے کر وَرَقَةَ بن نوفل کے پاس گئیں جہاں کے چچا زاد بھائی تھے، زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے، عربی اور عبرانی میں انجیل لکھتے تھے، بہت بوڑھے اور نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہ نے اُن سے کہا بھائی جان، ذرا اپنے بھتیجے کا قصہ سنئے۔ وَرَقَةَ نے حضور سے کہا بھتیجے تم کو کیا نظر آیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے جو کچھ دیکھا تھا وہ بیان کیا۔ ورنہ نے کہا "یہ وہی ناموس (وحی لانے والا فرشتہ) ہے جو اللہ نے موسیٰ پر نازل کیا تھا۔ کاش میں آپ کے زمانہ نبوت میں قوی ہوتا۔ کاش میں اس وقت زندہ رہتا۔ جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟" ورنہ نے کہا "ہاں، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص وہ چیز لے کر آیا ہو جو آپ لاتے ہیں اور اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو۔ اگر میں نے آپ کا وہ زمانہ پایا تو میں آپ کی پُرزور مدد کروں گا۔" مگر زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ورنہ کا انتقال ہو گیا۔

یہ قصہ خود اپنے منہ سے بول رہا ہے کہ فرشتے کی آمد سے ایک لمحہ پہلے تک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے خالی الذہن تھے کہ آپ نبی بناتے جانے والے ہیں۔ اس چیز کا طالب یا متوقع ہونا تو درکنار، آپ کے وہم و گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ ایسا کوئی معاملہ آپ کے ساتھ پیش آئے گا۔ وحی کا نزول اور فرشتے کا اس طرح سامنے آنا آپ کے لیے اچانک ایک حادثہ تھا جس کا پہلا تاثر آپ کے اوپر وہی ہوا جو ایک بے خبر انسان پر اتنے بڑے ایک حادثہ کے پیش آنے سے فطری طور پر ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ اسلام کی دعوت لے کر اٹھے تو مکہ کے لوگوں نے آپ پر ہر طرح کے اعتراضات کیے، مگر ان میں کوئی یہ کہنے والا نہ تھا کہ ہم کو تو پہلے ہی یہ خطرہ تھا کہ آپ کوئی دعویٰ کرنے والے ہیں کیونکہ آپ ایک مدت سے نبی بننے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس قصے سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ نبوت سے پہلے آپ کی زندگی کیسی پاکیزہ تھی اور آپ کا کردار کتنا بلند تھا۔ حضرت خدیجہ کوئی کم سن خاتون نہ تھیں بلکہ اس واقعہ کے وقت ان کی عمر ۵۵ سال تھی اور پندرہ سال سے وہ حضور کی شریک زندگی تھیں۔ بیوی سے شوہر کی کوئی گزری چھپی نہیں رہ سکتی۔ انہوں نے اس طویل ازدواجی زندگی میں آپ کو اتنا عالی مرتبہ انسان پایا تھا کہ جب حضور نے ان کو غار حراء میں پیش آنے والا واقعہ سنایا تو بلا تامل انہوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ فی الواقع اللہ کا فرشتہ ہی آپ کے پاس وحی لے کر آیا تھا۔ اسی طرح ورنہ بن نوحؑ بھی مکہ کے ایک بوڑھے باشندے تھے، بچپن سے حضور کی زندگی دیکھتے چلے آ رہے تھے، اور پندرہ سال کی قریبی رشتہ داری کی بنا پر تو وہ آپ کے حالات سے اور بھی زیادہ گہری واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے بھی جب یہ واقعہ سنا تو اسے کوئی وشوسہ نہیں سمجھا بلکہ سنتے ہی کہہ دیا کہ یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام

پر نازل ہوا تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک بھی آپ اتنے بلند پایہ انسان تھے کہ آپ کا نبوت کے منصب پر سرفراز ہونا کوئی قابلِ تعجب امر نہ تھا۔

دوسرے حصہ کی شانِ نزول | اس سورہ کا دوسرا حصہ اُس وقت نازل ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم میں اسلامی طریقہ پر نماز پڑھنی شروع کی اور ابو جہل نے آپ کو ڈرا دھمکا کر اس سے روکنا چاہا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ نبی ہونے کے بعد قبل اس کے کہ حضور اسلام کی علانیہ تبلیغ کا آغاز کرتے، آپ نے حرم میں اُس طریقے پر نماز ادا کرنی شروع کر دی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا تھا، اور یہی وہ چیز تھی جس سے قریش نے پہلی مرتبہ یہ محسوس کیا کہ آپ کسی نئے دین کے پیرو ہو گئے ہیں۔ دوسرے لوگ تو اسے حیرت ہی کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے، مگر ابو جہل کی رگِ جاہلیت اس پر پھوپک اٹھی اور اُس نے آپ کو دھمکانا شروع کر دیا کہ اس طریقے پر حرم میں عبادت نہ کریں چنانچہ اس سلسلے میں کئی احادیث حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ سے مروی ہیں جن میں ابو جہل کی ان بیہودگیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ ابو جہل نے قریش کے لوگوں سے پوچھا "کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، تمہارے سامنے زمین پر اپنا منہ ٹیکتا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا "لات اور عزیٰ کی قسم، اگر میں نے ان کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو ان کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا اور ان کا منہ زمین میں رگڑ دوں گا" پھر ایسا ہوا کہ حضور کو نماز پڑھتے دیکھ کر وہ آگے بڑھا تاکہ آپ کی گردن پر پاؤں رکھے، مگر یکایک لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنا منہ کسی چیز سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اُس سے پوچھا گیا کہ یہ تجھے کیا ہو گیا؟ اس نے کہا میرے اور ان کے درمیان آگ کی ایک خندق اور ایک ہوناک چیز تھی اور کچھ پر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ میرے قریب پھینکتا تو ملائکہ اُس کے چہرے اڑا دیتے (احمد مسلم، نسائی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، ابن فرقدیہ، ابو نعیم اصفہانی، بیہقی)۔

ابن عباس کی روایت ہے کہ ابو جہل نے کہا اگر میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھ لیا تو ان کی گردن پاؤں سے دبا دوں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس نے ایسا کیا تو ملائکہ علانیہ اُسے آپکڑیں گے (بخاری، ترمذی،

نسائی، ابن جریر، عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن مردودیہ۔

ابن عباسؓ کی ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابراہیم پر نماز پڑھ رہے تھے۔ ابرہیل کا ادھر سے گذر ہوا تو اس نے کہا اے محمدؐ، کیا میں نے تم کو اس سے منع نہیں کیا تھا؟ اور اس نے آپ کو دھکیا دینی شروع کیں۔ جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سختی کے ساتھ جھڑک دیا۔ اس پر اس نے کہا اے محمدؐ، تم کس بل پر مجھے ڈراتے ہو۔ خدا کی قسم، اس وادی میں میرے حمایتی سب سے زیادہ ہیں، احمد، تریبذی، نسائی، ابن جریر، ابن ابی شیبہ، ابن المنذر، طبرانی، ابن مردودیہ۔

اپنی واقعات پر اس سورہ کا وہ حصہ نازل ہوا جو کَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَبِغْیٰۤیۡۤہٗۤ اَشْرَعٌ ہوتا ہے۔ قدرتی طور پر اس حصے کا مقام وہی ہونا چاہیے تھا جو قرآن کی اس سورۃ میں رکھا گیا ہے۔ کیونکہ پہلی وحی نازل ہونے کے بعد اسلام کا اولین اظہار جنسور نے نمازی سے کیا تھا اور کفار سے آپ کی مڈبھیڑ کا آغاز بھی اسی واقعہ سے ہوا تھا۔

اللہ کے نام سے جو بے انتہا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے
 پڑھو (اسے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا ہے جسے ہوتے خون کے ایک
 لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم
 سکھایا، انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

۱۔ جیسا کہ ہم نے دیا پر میں بیان کیا ہے، فرشتے نے جب حضور سے کہا کہ پڑھو، تو حضور نے جواب دیا کہ
 میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے نے وحی کے یہ الفاظ لکھی ہوئی صورت میں آپ کے سامنے
 پیش کیے تھے اور انہیں پڑھنے کے لیے کہا تھا کیونکہ اگر فرشتے کی بات کا مطلب یہ ہوتا کہ جس طرح میں لوتا جاؤ
 آپ اسی طرح پڑھتے جاتیں، تو حضور کو یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔

۲۔ یعنی اپنے رب کا نام لے کر پڑھو، یا بالفاظ دیگر بسم اللہ کہو اور پڑھو۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی کہ رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وحی کے آنے سے پہلے ہی صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا رب جانتے اور مانتے تھے۔ اسی لیے یہ
 کہنے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی کہ آپ کا رب کون ہے، بلکہ یہ کہا گیا کہ اپنے رب کا نام لے کر پڑھو۔

۳۔ مطلقاً "پیدا کیا" فرمایا گیا ہے، یہ نہیں کہا گیا کہ کس کو پیدا کیا۔ اس سے خود بخود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اُس
 رب کا نام لے کر پڑھو جو خالق ہے، جس نے ساری کائنات کو اور کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا ہے۔

۴۔ کائنات کی عام تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد خاص طور پر انسان کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کس حقیر حالت سے
 اُس کی تخلیق کی ابتدا کر کے اُسے پورا انسان بنا یا علق جمع ہے علقہ کی جس کے معنی جسے ہوتے خون کے ہیں۔ یہ وہ
 ابتدائی حالت ہے جو استقرارِ حمل کے بعد پہلے چند دنوں میں رونما ہوتی ہے، پھر وہ گوشت کی شکل اختیار کرتی ہے
 اور اس کے بعد تدریج اس میں انسانی صورت بننے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر القرآن
 جلد سوم، الحج، آیت ۵، حاشی ذنا،

۵۔ یعنی یہ اُس کا انتہائی کم ہے کہ اس حقیر ترین حالت سے ابتدا کر کے اُس نے انسان کو صاحبِ علم بنا یا جو
 مخلوقات کی بلند ترین صفت ہے، اور صرف صاحبِ علم ہی نہیں بنایا، بلکہ اس کو قلم کے استعمال سے لکھنے کا فن سکھایا
 جو بڑے پیمانے پر علم کی اشاعت، ترقی، اور نسل بعد نسل اُس کے بقا اور تحفظ کا ذریعہ بنا۔ اگر وہ الہامی طور پر انسان
 کو قلم اور کتابت کے فن کا یہ علم نہ دیتا تو انسان کی علمی قابلیت ٹھٹھ کر رہ جاتی اور اُسے نشوونما پانے، پھیلنے اور
 ایک نسل کے علوم دوسری نسل تک پہنچنے اور آگے مزید ترقی کرتے چلے جانے کا موقع ہی نہ ملتا۔

ہرگز نہیں۔ انسان سرکشی کرتا ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے (حالانکہ) پلٹنا یقیناً تیرے رب ہی کی طرف ہے۔ تم نے دیکھا اس شخص کو جو ایک بندے کو منع کرتا ہے جبکہ وہ نماز پڑھتا ہو؟ تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ بندہ، راہِ راست پر ہو یا پرہیزگاری کی تلقین کرتا ہو؟ تمہارا کیا خیال

۱۷ یعنی انسان اصل میں بالکل بے علم تھا۔ اسے جو کچھ بھی علم حاصل ہوا اللہ کے دینے سے حاصل ہوا۔ اللہ ہی نے جس مسئلے پر انسان کے لیے علم کے جو دروازے کھولنے چاہے وہ اس پر کھلتے پھلتے گتے۔ یہی بات ہے جو آیت الکرسی میں اس طرح فرمائی گئی ہے کہ وَلَا يَجْهَبُونَ بَشِيءًا مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ۔ اور لوگ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس کے جو وہ خود چاہے (البقرہ - ۲۵۵)۔ جن چیزوں کو بھی انسان اپنی علمی دریافت سمجھتا ہے، درحقیقت وہ پہلے اس کے علم میں نہ تھیں، اللہ تعالیٰ ہی نے جب چاہا اُن کا علم اُسے دیا بغیر اس کے کہ انسان یہ محسوس کرتا کہ یہ علم اللہ اُسے دے رہا ہے۔

یہاں تک وہ آیات ہیں جو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ پہلا تجربہ اتنا سخت تھا کہ حضور اس سے زیادہ کے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ اس لیے اس وقت صرف یہ بتانے پر اکتفا کیا گیا کہ وہ رب جس کو آپ پہلے سے جانتے اور مانتے ہیں، آپ سے براہِ راست مخاطب ہے، اس کی طرف سے آپ پر وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے، اور آپ کو اس نے اپنا نبی بنا لیا ہے۔ اس کے ایک مدت بعد سورۃ تہٰن کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں آپ کو بتایا گیا کہ نبوت پر مامور ہونے کے بعد اب آپ کو کام کیا کرنا ہے۔ (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد ششم، الذکر و بیچارہ)۔ یعنی ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ جس خدائے کریم نے انسان پر اتنا بڑا کرم فرمایا ہے اس کے مقابلہ میں وہ جہالت برت کر وہ رویہ اختیار کرے جو آگے بیان ہو رہا ہے۔

۱۸ یعنی یہ دیکھ کر کہ مال، دولت، عزت و جاہ اور جو کچھ بھی دنیا میں وہ چاہتا تھا وہ اسے حاصل ہو گیا ہے۔ شکر گزار ہونے کے بجائے وہ سرکشی پر اتر آتا ہے اور عبد بندگی سے تجاؤز کرنے لگتا ہے۔

۱۹ یعنی خواہ کچھ بھی اس نے دنیا میں حاصل کر لیا ہو جس کے بل پر وہ تڑو اور سرکشی کر رہا ہے، آخر کار اسے جانا تو تیرے رب ہی کے پاس ہے۔ پھر اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس روش کا انجام کیا ہوتا ہے۔

۲۰ بندے سے مراد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس طریقے سے حضور کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے مثلاً مَبْحَثَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لِيَلْا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَىٰ

ہے اگر دیر منع کرنے والا شخص حق کو جھٹلاتا اور منہ موڑتا ہو؛ کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے؛ ہرگز نہیں؛ اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال کچڑ کر کے کھینچیں گے، اُس پیشانی کو جو جھوٹی اور سخت خطا کا رہے۔ وہ بلا لے اپنے حامیوں کی ٹہلی کو؛ ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔

دینی اسرائیل - ۱۱: پاک ہے وہ جو لے گیا اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف۔ "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ" (الکہف - ۱) "تو رہا ہے اس خدا کے لیے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی۔" "وَإِنَّهُ لَمَعَ قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا" (الجن - ۱۹) "اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اُس کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوا تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خاص محبت کا انداز ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرماتا ہے۔ علاوہ بریں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب پر سرفراز فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا طریقہ سکھا دیا تھا۔ اس طریقے کا ذکر قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے کہ آسے نبی تم اس طرح نماز پڑھا کرو۔ لہذا یہ اس امر کا ایک اور ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صرت وہی وحی نازل نہیں ہوتی تھی جو قرآن میں درج ہے، بلکہ اس کے علاوہ بھی وحی کے ذریعہ سے آپ کو ایسی باتوں کی تعلیم دی جاتی تھی جو قرآن میں درج نہیں ہیں۔

اللہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہر انصاف پسند شخص مخاطب ہے۔ اُس سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم نے دیکھی اس شخص کی حرکت جو خدا کی عبادت کرنے سے ایک بندے کو روکتا ہے؛ تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ بندہ راہ راست پر ہو، یا لوگوں کو خدا سے ڈرنے اور برے کاموں سے روکنے کی کوشش کرتا ہو، اور یہ منع کرنے والا حق کو جھٹلاتا اور اُس سے منہ موڑتا ہو، تو اُس کی یہ حرکت کیسی ہے؛ کیا یہ شخص یہ روش اختیار کر سکتا تھا اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اُس بندے کو بھی دیکھ رہا ہے جو نیکی کا کام کرتا ہے اور اس کو بھی دیکھ رہا ہے جو حق کو جھٹلانے اور اُس سے روگردانی کرنے میں لگا ہوا ہے؛ ظالم کے ظلم اور مظلوم کی مظلومی کو اللہ تعالیٰ کا دیکھنا خود اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ ظالم کو سزا دے گا اور مظلوم کی داد دے گا۔

اللہ یعنی یہ شخص جو دھکی دیتا ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھیں گے تو وہ ان کی گردن کو پاؤں سے

اع

ہرگز نہیں، اس کی بات نہ مانو اور سجدہ کرو اور (اپنے رب کا) قرب حاصل کرو۔
 وبارے گا، یہ ہرگز ایسا نہ کر سکے گا۔

سننے پیشانی سے مراد یہاں پیشانی والا شخص ہے۔

مطلہ جیسا کہ ہم نے ویجاہ میں بیان کیا ہے ابو جہل کے دھمکی دینے پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھڑک دیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ آسے محمد، تم کس بل پر مجھے ڈراتے ہو، خدا کی قسم اس وادی میں میرے حمایتی سب سے زیادہ ہیں۔ اس پر فرمایا جا رہا ہے کہ یہ بلا ہے اپنے حمایتیوں کو۔

ہاں اصل میں زبانہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو قتا وہ کی تشریح کے مطابق کلام عرب میں پوپیس کے لیے بولا جاتا ہے۔ اور زبن کے اصل معنی دھکا دینے کے ہیں۔ بادشاہوں کے ہاں چوہدار بھی اسی غرض کے لیے ہوتے تھے کہ جس پر بادشاہ ناراض ہو اسے وہ دھکتے دے کر نکال دیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ اپنے حمایتیوں کو بلا لے، ہم اپنی پوپیس، یعنی ملائکہ عذاب کو بلا لیں گے کہ وہ اس کی اور اس کے حمایتیوں کی خبر لیں۔

۱۶ سجدہ کرنے سے مراد نماز ہے۔ یعنی آسے نبی، تم بے خوف اسی طرح نماز پڑھتے رہو جس طرح پڑھتے رہے ہو، اور اس کے ذریعہ سے اپنے رب کا قرب حاصل کرو۔ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ "سب سے زیادہ اپنے رب سے اس وقت قریب ہوتا ہے جب وہ سجدہ میں ہوتا ہے" اور مسلم میں حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت بھی آتی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھتے تھے تو سجدہ تلاوت ادا فرماتے تھے۔